بیادِ امیر شریعتؒ حکیم عبداللطیف عارف مرحوم

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۔۔۔اور۔۔۔ پیر فضل گجراتی

پیر فضل گجراتی پنجابی شاعری میں ایک مستند نام ہے۔ ان کا شمار پنجابی کے استاد شعراء میں ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ پنجابی غزل کے مجدد ہیں۔ حضرت امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ سے پیر صاحب مرحوم بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے اور حضرت شاہ جی ان کی شاعری کے اعلیٰ قدر دان تھے۔ ذیل کا مضمون دونوں شخصیتوں کے ایک سچے ارادت مند حکیم عبداللطیف عارف مرحوم کے قلم سے ہے۔ (ادارہ)

اکبر آباد (حال گجرات) جسے شاہدولہ کی نگری بھی کہتے ہیں۔ مردم خیزی کے لحاظ سے ہر دور میں معروف ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے گزشتہ ساٹھ سالوں میں جہاں مہنداپہلوان (رستم ہند) سائیں کرم الٰہی (کانواں والے) سید عطاء اللہ شاہ بخاری (امیر شریعت) نواب سر فضل علی (بانی زمیندار کالج) اور استاد امام دین سے شہرت دوام کے صحائف خمسہ میں زندہ دلی کا فخر و امتیاز حاصل ہوا۔ وہاں پنجابی ادب کے میدان میں سوہنی کے دو شاعر سائیں فروز اور فضل حجام بھی خاص مقام کے مالک ہیں۔ لیکن دربار تصوف کے وجدانی شاعر پیر فضل کا اندازِ بیان سب سے انوکھا۔ نہایت ہی دلکش اور مسحور معلوم ہوتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۲۳ء میں جب سید عطاء اللہ شاہ بخاری (تحریک خلافت کے سلسلہ میں) میانوالی جیل سے رہا ہونے کے بعد گجرات تشریف لائے تو میرے ہی مکان پر ایک مجلس میں پیر فضل صاحب بھی موجود تھے۔ شعر و شاعری سے بزم کا نقشہ بدل دینا شاہ صاحب کی افتادِ طبع کا معمولی کرشمہ تھا۔ کسی نے پیر فضل صاحب کے کلام کی جو تعریف کر دی تو شاہ صاحب نے فرمایا:

اچھا پیر صاحب کچھ اب سنا ہی دیجیئے

پیر صاحب نے حسب الحکم اپنی غزل سنانا شروع کر دی۔ ایک شعر کئی کئی بار سنا گیا۔ جو شاہ صاحب کے لئے تیر و نشتر بن کر چبھتا گیا۔ شاہ صاحب وجد میں آ کر خوب روتے اور دیر تک روتے رہے۔ غزل تھی

جام اجل دو ہنہ دو [illegible] ستیں پتے منگن پیاسے جو تیری ملاقات دے نیں
تیرے مٹھیاں لباں دی قسم مینوں اوہ شوقین گھٹ آب حیات دے نیں
کر گئی رخ روشن اتوں ہٹیاں ایں منتشر پریشانیاں میریاں نوں
تیری زلف سیاہ دے وچہ مخفی جلوے لیلۃ القدر دی رات دے نیں
دسے جنہاں نوں ویکھ جہاں رووے تو اوہ ویکھ جہان دے دل ہسن
کے خندہ پیشانی دی یاد اندر اُٹھ کے رووں والے پچھلی رات دے نیں

ڈِگا پِی میخانے دے در آگے او ہناں چک لیا آکھ کے بسم اللہ
زاہد من گیا تیرے توں بہت چنگے نیڑے رہن والے خرابات دے نیں
قاتل ویکھ شہیداں دے ول رووے نالے ہسدا نے نال تماش بیناں
قتل گاہ دے وچ اج صاف ہو گئے جو راز حیات ممات دے نیں
میں جو درد فراق دے مزے لُٹاں رب اوہناں دے کدوں نصیب کیتے
من لیا رقیب رقیب ای نیں پر شریک کوئی میری برات دے نیں؟
دلا بھولیا توں ہنوں لے ڈبائیں دس ضبط اینے کتھوں سیکھیونی
جے او کرن شوخی تو بھی چھیڑیا کر کل امر مرہون اوقات دے نیں
دل تے آکھدا نے فصل پٹ چیر لئے میہنوال دی کریئے مثال قائم
پکے گھڑے دے باہجھ پر ٹھلڈے نہیں بن محبوب جو شہر گجرات دے نیں

(ماہنامہ مہر و ماہ، لاہور، جولائی، اگست ۱۹۶۵ء)

بقیہ ص ۲۹

چائے کے بہت رسیا تھے۔ اور معلوم ہے کہ بغیر شکر کے چائے وہ لطف پیدا نہیں کر سکتی۔ ڈاکٹر صاحبان نے سکرین کی اجازت دے رکھی تھی مگر شاہ جی اکثر چائے کی پیالی میں ایک چٹکی نمک کا ڈال کر نوش فرماتے اور خوب مزے لے لے کر چسکیاں بھرتے۔

میں عمر میں ان کے بیٹوں کے برابر ہوں، مگر جب کبھی میں نے کوئی طبی مشورہ دیا کوئی غذائی پرہیز بتائی، تو اس پر اس طرح عمل کیا کہ جیسے ایک حاکم کا حکم ہو۔ خوف اور جبر کی بنا پر نہیں بلکہ خلوص اور اطاعت کے جذبہ میں سرشار ہو کر بلکہ بعض اوقات میں ان کے اس جذبہ تعمیل کو دیکھ کر نادم ہوتا تھا کہ کیوں خواہ مخواہ قید لگائی۔

مرض کا جب غلبہ ہوا تو میں نے ہر طرح کے کھانے کی اجازت دے دی مگر کیا مجال جو قدم کو لغزش ہو۔ اسی طرح بدستور شوربا اور چپاتی پر قائم رہے اور کسی طرح کا تغیر و تبدل منظور نہ کیا۔

ڈاکٹری علاج سے طبعاً متنفر تھے۔ اور یہ نفرت غالباً افتاد طبع کی بنا پر تھی۔ جس شخص نے زندگی بھر فرنگی کے خلاف جہاد کیا اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ فرنگ آوردہ طریقہ علاج سے محبت رکھے، عبث نہیں تو اور کیا ہے؟

یہی وجہ تھی کہ اطباء کی طرف میلان زیادہ رکھتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے "بھائی علاج کرانے سے پہلے بیب کو خوب ٹھونک بجا کر دیکھ لو۔ جب اس کی حذاقت ثابت ہو جائے تو بس پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دو۔"

کیا بلیغ جملہ ہے! اور جب تک زندگی نے وفا کی اس کو نبھایا۔